صاحبزادہ خورشید گیلانی

یقین

ایک انگریزی محاورہ ہے "ایکشن فالوز کنوکشن اینڈ ناٹ نالج" یعنی عمل یقین کا محتاج ہوتا ہے، محض علم کا نہیں۔ دنیا کی ہر پیش رفت کے پیچھے یقین کامل کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ حرف دھماکہ اس وقت کرتا اور لفظ زلزلہ اس وقت برپا کرتا ہے جب اس کی پشت پر جذبہ کھڑا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر آج جمود ہوتا، برف سے زیادہ یخ اور پتھر سے زیادہ سخت، بحر مردار کے کنارے پہنچ کر کھونٹا گاڑنا اور مصلیٰ بچھانا یقین ہی کا نتیجہ تھا۔ بحر ظلمات میں کشتیاں جلانا اور گھوڑے دوڑانا یقین ہی کا کرشمہ تھا۔ یقین ہی کی بدولت نئی دنیائیں دریافت ہوئیں۔ انکشافات کے نئے افق طلوع ہوئے، ان گنت کہکشاؤں کا سراغ ملا، مریخ اور چاند مسخر ہوئے، اور ایجادات کا ایک پورا ذخیرہ وجود میں آیا جس نے جنگل کے ماحول میں منگل کا سماں بھر دیا۔ فرد ہو یا قوم، یقین ہی اس کا جذبہ محرکہ اور سفر کا سرمایہ ہوتا ہے۔ یقین نہ ہو تو عرب کا قریشی ابو الحکم دنیا میں ابو جہل کہلا کر بدنام ہوتا اور افریقہ کا حبشی بلالؓ یقین کی بدولت دوام پاتا ہے۔ بو علیؒ غبار ناقہ میں گم رہتا اور دست رومیؒ محمل لیلیٰ تک جا پہنچتا ہے۔ رازیؒ حرفوں میں الجھ کر رہ جاتا اور غزالیؒ جامعہ نظامیہ سے استعفا دے کر بھی سلجھ جاتا ہے۔ نطشے تکرار ازلی کے فلسفے میں فنا اور اقبالؒ مقام کبریا سے آشنا ہو جاتا ہے۔ ابو الفضل اور فیضی کی شخصیتیں وقف دربار رہتیں اور شیخ سرہندی ؒ کی لحد مطلع انوار بن جاتی ہے۔ حضرت سراقہ بن جشعم مرض الموت میں گرفتار ہیں، اطباء لاعلاج قرار دے چکے ہیں، ورثہ تدفین کی تیاریوں میں ہیں مگر سراقہ کہتے ہیں واللہ ابھی موت بہت دور ہے کیونکہ ابھی میں نے کسریٰ ایران کے کنگن پہننے ہیں جس کی بشارت خود حضور ﷺ نے مجھے دی تھی۔ یہ وہی سراقہ ہیں جنہیں ہجرت کے موقع پر کفار نے سونے کے کنگن پہنانے کا لالچ دے کر حضور ﷺ کے تعاقب میں بھیجا تھا مگر آپ نے اس سے فرمایا تھا کہ اگر تم دعوت اسلام قبول کر لو تو ایک وقت آئے گا جب فارس فتح ہو گا اور شاہ فارس کے کنگن تمہیں پہنائے جائیں گے۔ سراقہ بالآخر صحت یاب ہوئے۔ کچھ مدت بعد ایران فتح ہوا اور حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھوں سے کنگن سراقہ کو پہنائے۔ یہ سراقہ کے قالب میں یقین کی روح گویا نہیں تھی تو اور کیا چیز تھی؟ ایک جنگ میں ثابت بن اصیرم مسلمانوں سے برسرپیکار ہے۔ معاً اسے خیال آیا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر پوچھتا ہے اگر میں اسلام قبول کر لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت۔ اس وقت ایک کھجور کا دانہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اسے زمین پر پھینکتے ہوئے کہا یا رسول اللہ! آخری سلام قبول ہو۔ یہ کھجوریں جنت میں جا کر کھاؤں گا۔ پلٹ کر صف کفار پر حملہ آور ہوا اور پھر شہید ہو گیا۔ حضورؐ نے لاشوں کا معائنہ کرتے ہوئے فرمایا "آؤ دوستو تمہیں میں ایسا جنتی دکھاؤں جس نے نہ نماز پڑھی نہ روزہ رکھا نہ حج کیا مگر سیدھا جنت میں پہنچ گیا اور یہ ثابت بن اصیرم ہے۔

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابل رشک اے اہل نظر
شب بھر میں یہ پیدا بھی ہوا، عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

یہ ثابت بن اصیرم کا یقین تھا جس نے جادۂ صد سالہ پا بہ طے کر لیا۔

مصریوں کا عقیدہ بھی تھا اور ان کے ہاں رواج بھی کہ خشک سالی کے موسم میں دریائے نیل کو ایک انسانی جان کا نذرانہ اور بھینٹ دیتے اور ان کے خیال میں نیل تب رواں ہوتا تھا۔ عہد فاروقیؓ میں بھی ایک بار دریائے نیل خشک ہو گیا۔ اہل مصر نے آپ کی خدمت میں فریاد کی اور انسانی بھینٹ چڑھانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا یہ عقیدہ تو عقیدہ توحید اور ایمان کے منافی ہے۔ انسانی جان نہیں، میرا پیغام لے جاؤ۔ نیل نے بہنا ہوا تو بہنا شروع ہو جائے گا۔ آپ نے دو حرفی رقعہ تحریر فرمایا۔ ذرا عبارت ملاحظہ کیجئے "اے نیل، اگر تو انسانی بھینٹ لے کر بہتا ہے تو قیامت تک سوکھا رہ۔ اگر خدا کے حکم کے مطابق تیری روانی ہے تو خدا کا بندہ عمر تجھے حکم دیتا ہے کہ تو بہنا شروع کر دے کیونکہ مخلوق خدا قحط میں مبتلا ہے" یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ رقعہ پاتال تک پہنچا ہی تھا کہ پانی کی موجیں نیل کے کنارے سے اچھلنے لگیں۔ یقین کا عالم یہ ہو تو شعبدے دم توڑ دیتے اور معجزے رونما ہونے لگتے ہیں۔

شیخ شبلیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ کہیں سے سفر کر کے اپنے گاؤں واپس لوٹ رہے تھے کہ گاؤں کے کھلے میدان میں آپ نے لوگوں کا مجمع دیکھا۔ آپ نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا، خیر باشد، کوئی آفت آ گئی ہے؟ لوگوں نے کہا، قحط نے گھیر لیا ہے، بارش آنے کا نام نہیں لے رہی، ہم نماز استسقاء پڑھنے نکلے ہیں۔ آپ نے فرمایا سب واپس لوٹ جاؤ۔ تمہاری نماز سے بارش نہیں ہو گی۔ لوگ متعجب ہوئے کہ کیوں؟ آپ نے فرمایا تم میں سے کسی کے پاس بارش کے بچاؤ کے لیے کوئی چھتری اور کپڑا نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خود تمہیں بھی بارش ہونے کا یقین نہیں ورنہ تدبیر کر کے آتے۔

آج وطن عزیز کی زمین اپنے خزانے اگلنے پر کیوں آمادہ نہیں؟ اور نامہرباں آسمان اپنا ابر برسانے پر کیوں تیار نہیں؟ اس لیے کہ فرزندان وطن دولت یقین سے محروم ہو چکے ہیں۔ آسمانوں سے تارے توڑ لانے کے دعوے کرنے والے سیاست دان تنکا توڑنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ کرامات بیان کرنے والے واعظ حکایات سے آگے نہیں بڑھتے اور ایک پھونک کے زور پر تقدیریں بدلنے والے مشائخ خود بے عملی کی تصویریں ہیں۔ زمین موم اور آسمان رام ہو تو کیسے ہو؟ آب زمزم کا چشمہ یقین کی ایڑیوں سے ابلتا ہے، کدال اور پھاوڑوں کے زور پر نہیں۔ بلاشبہ ہمیں حرف دعا تو یاد ہے، دست دعا پھیلانے کا قرینہ بھول بیٹھے ہیں۔ مگر بادلوں کی کیا مجال کہ وہ آہ کے عرش تک پہنچنے میں رکاوٹ بن سکیں۔ علم زیادہ سے زیادہ تدبیر کا جال پھینکتا ہے مگر یقین سیدھا تقدیر پر جا کمند ڈالتا ہے۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے؟